www.Paksociety.com
ہم ہیں آوارہ
پاک سوسائٹی
ڈاکٹر فرحانہ ارشد
www.Paksociety.com

ہم ہیں آوارہ سُو بہ سُو

فرحانہ ارشد

ہم ہیں آوارہ سُو بہ سُو

"اگر تم روسو کی "ایمیل "پڑھو نا تو تمہیں احساس ہو کہ وہ لوگ جو نامراد نظر آتے ہیں ان کی روح میں کتنے طوفان ہوتے ہیں اور یہی طوفان اکثر روسو کی طرح انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔"

عکرمہ رسول کے لہجے کا طوفان میرے ساتھ فیضی، روحا، ذیشان، عائشہ اور احسن کو بھی چونکا گیا۔

"لیکن اس کے باوجود وہ تمام عمر تضاد یعنی ہاں اور ناں کی کیفیت میں رہا۔" وفا ہاشمی کسی طور ماننے کو تیار نہ تھی۔

"ہاں اس کے باوجود بھی فریب کاری، رسم پرستی اور مصنوعی زندگی سے نفرت اسے ایک آئیڈیلسٹ بنانے میں نمایاں تھیں۔"

وہ عکرمہ رسول ہی کیا جو ہار مان جاتا۔

"مگر ایک بات تو ہے نا عکرمہ رسول! کہ اس کا تضاد اس کی زندگی پر اتنا حاوی تھا کہ حقیقی زندگی میں اپنے جذباتی رویے کی وجہ سے وہ ہمیشہ منفی رہا۔ حتٰی کہ اپنے بچوں کو اپنے ہوتے ہوئے وہ کسی یتیم خانے میں ڈال آیا تو کیا یہ تضاد اس پر حاوی نہیں تھا؟" میں جو کافی دیر سے خاموش بیٹھا تھا بالآخر بول اٹھا۔

"ہاں یہ بھی درست ہے۔ تو تم یہ مانتے ہو نا کہ وہ بھی نامراد تھا اور اسی نامرادی نے انقلاب برپا کر دیا تھا۔" وہ اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا گھاس کو روندتا گزر گیا۔ ہمیشہ کی طرح اپنے پیچھے اپنے ہونے کا احساس چھوڑ کر۔

"بہت خبطی ہے۔" یہ روحا کے ریمارکس تھے۔

"لیکن بہر حال ہے بہت اچھا۔" فیضی اس سے بہت متاثر تھا اور شاید ہم سب ہی۔ میں نے دیکھا وفا ہاشمی کتابیں اٹھائے انگلش ڈپارٹمنٹ کی طرف جا رہی تھی۔

"چلو۔ کیا آج سر نجف احمد کی کلاس گول کرنے کا ارادہ ہے؟" ذیشان اٹھا تو ہم سب ایک ایک کر کے چل دیے۔ "آخر عکرمہ رسول ! کے جانے کے بعد سب بور کیوں ہو جاتے ہیں؟" میں نے ہمیشہ کی تنگ نظری سے سوچا۔

حسبِ معمول آج پھر وہ سر آفاق رضوی سے بحث کر رہا تھا۔

"لیکن سر! آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں، اس میں خصوصی طور پر تعلیمی اصلاحات وقت کا تقاضا ہیں۔ اب تک ہم صرف خالی خولی الفاظ کا سہارا لیے ہوئے ہیں۔"

سر رضوی اس کا لفظ لفظ یوں غور سے سن رہے تھے، جیسے اپنے علم میں اضافہ کرنے کے لیے ایک ایک حرف پی رہے ہوں۔ "یہ ہمارا المیہ ہی تو ہے سر، کہ مادی ترقی کی تیز چمک نے ہماری اخلاقی، اسلامی تعلیمات کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے اور ہم کسی اندھیری رات کے مسافر کی طرح اپنا صحیح رستہ کھو کر بھٹک رہے ہیں۔" کھنکتا لہجہ اس کی میراث تھا۔

"ایسا نہیں ہے سر۔" وفا ہاشمی تو جیسے اس کی بات رد کرنا فرض سمجھتی تھی۔ "اتنے سارے لوگ جو جد وجہد کر

رہے ہیں اس طرح کہہ کر ہم ان کے جذبے کی توہین کر رہے ہیں۔ کوئی ایک شخص بھی کچھ کر رہا ہو تو یہ کہنا غلط ہو گا کہ یہاں کچھ نہیں ہو رہا۔"

"مجھے علم ہے۔" عکرمہ رسول نے بات کاٹی۔ "میں مانتا ہوں کہ لوگ نکلے ہیں مگر مغرب کی اقوام کا سہارا لے کر۔ کون ہے جو خالد بن ولید بنا ہو؟ کون ہے جو غازی علم دین بن کے آیا ہو؟ ہم بہت کچھ کہنے کا تو جذبہ رکھتے ہیں مگر کچھ کرنے کا نہیں۔ ہم کتابوں میں بھی مغرب کے مرہون منت ہیں۔ ہمیں فخر سے ریاکاری کے لیے نہیں علم کے لیے کتابیں پڑھنی ہیں۔ ہم علم کے لیے گورونانک کی "گروگرنتھ" بھی پڑھیں گے اور سیّدنا غوث الاعظم کی "الفتح ربانی" بھی۔"

وہ بغیر کومے، فل اسپیڈ کے بول رہا تھا۔ جب وہ بولتا تھا تو سناٹا ہو جاتا تھا۔ اسے چیلنج کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے ٹھوس دلائل پروفیسرز کو بھی زچ کر دیتے تھے۔

"ہوں۔" کافی دیر بعد سر کی آواز آئی۔ "پھر بھی ہمیں یہ ماننا ہے کہ ہم آگے آ رہے ہیں۔ ہم مایوس نہیں ہیں۔"

"یس سر۔" وہ پھر تن کر کھڑا ہو گیا۔ "ہمیں مایوس ہونا بھی نہیں ہے کیونکہ انہی ڈگریوں کے پیچھے ہماری دو وقت کی روٹی رکھی ہے۔ شاید ہم متوکل نہیں ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ پھر بیٹھ گیا۔ اور میں سوچتا رہا کہ جب عکرمہ رسول مانتا بھی ہے کہ ہم صرف کہہ سکتے ہیں لیکن نہ کر سکنے پر مجبور ہیں تو پھر بھی یہ کہنے پر مجبور کیوں ہے؟

کہنے کو عکرمہ رسول پوری دنیا میں بسنے والے ہر انسان کو دوست کہتا تھا لیکن میں اور وفا ہاشمی اس کے ایسے

دوست تھے، جن سے وہ ہمیشہ لاپروائی برتتا تھا۔

اس لحاظ سے ہم اس کے "خاص" میں سے تھے وفا ہاشمی اس کی اگنورنس سے بہت لاپروائی برتتی تھی اور خود ماتھے پر "نو لفٹ" کا بورڈ چپکا لیتی تھی جب کہ میں اس کی اگنورنس سے اتنا ڈسٹرب ہوتا تھا کہ دعا مانگنے لگتا تھا۔ "یااللہ وہ پریشان ہو اور میرے پاس ہلکا ہونے کے لیے آئے، کیونکہ وہ جب بھی پریشان ہوتا تھا میرے پاس ہی آتا تھا اور لحاظ سے میں اس کا بھری دنیا میں "واحد خاص" تھا۔

"ہیلو!" وفا کی آواز نے مجھے چونکایا۔

"ہائے ڈریم گرل۔" میں ہمیشہ موڈ میں اسے یہی کہتا تھا۔

"کیو ہو رہا ہے؟ کیا گھاس پہ کوئی ریسرش وغیرہ؟" وہ اپنی لمبی خوب صورت آنکھیں حیرت سے پھیلاتے ہوئے بولی۔

"او نہیں۔" میں نے ہاتھ میں پکڑا وہ گھاس کا تنہا تنکا زور سے پھینکا جسے جانے کب سے میں دونوں ہاتھوں میں لیے مروڑ رہا تھا اور جس کی ذات کا احساس مجھے وفا نے دلایا۔

"کیا سوچ رہے تھے؟" وہ میرے قریب بیٹھتی ہوئی بولی۔

"کچھ نہیں یا شاید بہت کچھ۔" میں ہنسا۔

"یہ ڈبل مائنڈڈ ہونے کی کوئی خاص تک؟" وہ غور سے مجھے دیکھتے ہوئے مسکرائی۔ میرا جی چاہا کہہ دوں کہ ہاں تم جب بھی میرے پاس ہوتی ہو، میں ڈبل مائنڈڈ ہو جاتا ہوں اور یہ تضاد کی کیفیت مجھے بھی روسو کی طرح نامراد نہ کردے۔

"نہیں، کوئی خاص نہیں یا شاید کوئی ہاتھ ہو اس کے پیچھے۔" میں نے پھر وہی دوہرا جواب دہرایا تو وہ ہنسنے لگی اور میرا جی چاہا وہ ہنستی رہے اور وقت گزرتا رہے۔

"ہیلو یار اور وفا۔" عکرمہ ہاشمی نے حسبِ معمول موڈ میں مجھے شہریار کے بجائے یار کہا۔

"ہیلو۔ جان جاں کیسے ہو؟" میں نے اس کی مداخلت نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"ظاہر ہے روز اول کی طرح متحرک۔" وفا اس کی انقلابی سوکر گھیر گھیر کر نشانہ بناتی رہی اور وہ ہنستا رہا۔

"سنو وفا! ایک روز تم اپنے اس ناچیز دوست پر فخر کرو گی کہ یہ ہیرو کبھی میرا دوست بھی رہ چکا ہے۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کرتے ہوئے یقین سے بولا۔

"ارے جاؤ ہیرو۔" اس نے طنزیہ کہا اور عکرمہ رسول کے ڈھٹائی سے ہنسنے پر میں حیران ہوتا رہا۔

"باغی کہیں کے۔" وفا نے پھر طنز کیا۔

"ہاں۔ برائیوں سے ٹکر لینا اگر بغاوت کہے تو میں باغی ہوں۔" اس کے لہجے کا یقین کسی کو بھی چونکا سکتا تھا۔

"دیکھیں گے۔ دیکھیں گے، کیوں ٹھیک ہے ناراجہ شہریار؟" وہ مجھ سے مخاطب تھی۔ میں نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔

پھر باباکے حکم کے مطابق میں زمینوں پہ قصور چلا گیا۔ ہفتہ بعد لوٹا تو جیسے یونیورسٹی میں بھونچال آیا ہوا تھا۔ عکرمہ رسول نے سر عارف صہبائی کے ساتھ مل کر ایک نئی تحریک "العزم" کی بنیاد رکھ دی تھی، جو بہت تیزی سے پھیل رہی تھی۔ ویسے بھی ہم نئی چیز کو جلد پک کر لیتے ہیں۔ ہر ایک یکسانیت سے گھبرا جاتا ہے یا شاید ہم انقلاب چاہتے ہیں۔ میں نے ہمیشہ کی طرح دو باتیں سوچیں عکرمہ رسول ایک دم ہی بہت

مصروف ہو گیا تھا۔اس کی شامیں ہم سے گپ شپ لگانے کے بجائے "العزم" کے آفس میں کاغذات سیاہ کرتے ہوئے گزرنے لگیں اور میرے دن، وفا ہاشمی کے قریب سے قریب تر۔عکرمہ رسول نے مجھ سے بہت کہا کہ "العزم" جوائن کرلو۔مگر میں بابا کو دیے وعدے کے عین مطابق اسٹڈی میں مصروف رہا اور اس سے زیادہ مصروف اس ڈریم گرل کی سوچوں میں۔ان دنوں ایک سوچ مجھ پر حاوی ہو چلی تھی کہ "اگر میں وفا کو نہ پاسکا تو؟" اور اس سے آگے سوچنا میرے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔مجھ پہ کپکپی طاری ہو جاتی جیسے گلیشیئر کا کوئی بڑا تودہ مجھ پر آن گرا ہو۔مگر بڑی الجھن میرے لیے یہ تھی کہ میں اس سے اظہار نہیں کر پایا تھا۔میرا بہت جی چاہتا تھا کہ اسے بتادوں۔

"میں راجہ شہریار تمہیں اپنے گھر میں دیکھنا چاہتا ہوں اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو میں وہ جو سڑک کے آخر میں ٹنڈ منڈ تنہا سا درخت ہے، اس کے نیچے آخری سانس تک تمہارا انتظار کروں گا۔پھر یہ کہ اسے ایڈرن ہنری کی وہ نظم سناؤں کہ۔

"تمہارے بغیر میری ہر صبح ایسے ہی ہو گی جیسے چھٹی کے بعد کام کا دن
تمہارے بغیر میرے پاس وقت اور دولت ہو گی بغیر مصرف کے
اور تمہارے بغیر اخبار کا رنگین ایڈیشن، بلیک اینڈ وہائٹ دکھائی دے گا"

مگر میں کبھی کچھ نہیں کہہ پایا۔ایسا نہیں کہ میں بدصورت ہوں۔مجھے اندازہ ہے کہ میری روشن روشن اور بادامی آنکھوں کے بہت سے "پرستار" ہیں۔گھنی مونچھوں کے نیچے ہنستے لب اور۔۔۔مردانہ وقار اور لب و لہجہ مجھے دوسروں سے نمایاں رکھتا ہے اور یہ بھی کہ میرا اندر بہت خوب صورت ہے، نرم اور گداز۔یہ خود

نمائی نہیں بلکہ خود شناسی ہے۔مگر یہ سب مجھے نہیں بتانا۔اسے خود جاننا ہے۔میں حرف تراشتا ہوں۔وہ سن کر حیران بھی ہوتی تھی۔لیکن جو میں نے کہہ دیا کچھ تو وہ ہنس دے گی کہ "دیکھو عکرمہ رسول! یہ راجا کتنا بودا نکلا۔بہت عام کہ ذرا سے مل بیٹھنے کو محبت کہنے لگا ہے۔" میں اس کی طنزیہ ہنسی سے خوفزدہ تھا۔

***

"العزم" کے کارکنوں کی محنت سے یہ تحریک کامیاب جا رہی تھی۔یہ واقعی ایک انقلاب تھا کہ یونیورسٹی کی ٹرانسپورٹ میں تقریباً چار نئی بسوں کا اضافہ ہوا تھا۔کینٹین میں چیزیں سستی تو نہیں البتہ صاف ستھری اور معیاری نظر آنے لگیں اور یہ کہ چند عاشق قسم کے مسٹنڈے بقول روحا کے "بے چارے" لڑکیوں سے بدتمیزی کرنے کے عوض جیل کی ہوا کھانے چلے گئے تھے۔ان میں بہت زیادہ اہم نام کاشف رضا کا تھا جو پچھلے پانچ سال سے یونیورسٹی میں مقیم تھا اور اپنے کئی فیکٹریز کے مالک باپ کی جائیداد پہ عیش کے نام پر عزتیں نیلام کر رہا تھا اور جسے گرل اسٹوڈنٹس "ریڈ سگنل" کہتی تھیں۔اس سے عکرمہ رسول ٹکرایا تھا اور بالآخر اسے نکلوانے میں کامیاب ہوا تھا۔

آج پھر ایک اہم اجلاس تھا جس میں مجھے وفا کے کہنے پہ شرکت کرنا پڑی۔ذاتی طور پر میں بھی "العزم" کی کارروائی سے بہت متاثر ہوا تھا۔سر عارف صہبائی کے چند ابتدائی کلمات کے بعد وہ اسٹیج پر نمودار ہوا تو جیسے پورا روم ہال تالیوں کی آواز سے کھڑکھڑانے لگا۔

"شکریہ۔" اس کی کھنکتی ہوئی آواز مائیک میں سے ابھری۔"العزم کی کچھ عرصے میں کامیابی نے ہم سب پر یہ روشن کر دیا ہے کہ ہمارے اندر نیکی کی کمی نہیں، بس پہل کی کمی ہے۔اگر کوئی ایک آگے تن جاتا ہے تو پھر

پیچھے لائینیں لگ جاتی ہیں، صفیں بندھ جاتی ہیں۔ ہمارے پاس جذبے کی کمی ہرگز نہیں۔ جب انقلاب آتا ہے تو پھر ہم نہیں ہماری روحیں دوڑتی ہیں اور پھر جہاں ذہن آزاد اور صاف ہوں وہاں انقلاب آتے دیر نہیں لگتی۔"

وہ دم بھر کو رکا۔ "یہ سب ہم نے نہیں، ہمارے اللہ نے کیا ہے۔ جب برائیاں حد سے بڑھنے لگتی ہیں تو پھر کوئی نہ کوئی ابراہیم ڈٹ جاتا ہے۔ پھر آگے سب اللہ کرتا ہے۔ وہ خود کہتا ہے کہ تم میرے لیے سر دو تو مجھ پر قصاص یا دیت فرض ہو جاتا ہے اور ہم اس سوچ پہ خود کو پابند نہیں کر سکتے کہ یہ ہم ہیں جو انقلاب لائے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہمارے اچھے مقدر ہیں کہ خدا نے ہماری تقدیر میں انسانیت، خلوص اور عاجزی لکھی۔"

ہال میں تالیوں کا شور تھا۔ وفا حیرانی سے نگاہیں جمائے اسے دیکھ رہی تھی شاید اس کے ذہن میں تھی عکرمہ رسول کے انقلابی نعرے گونج رہے ہوں گے۔ میں حیران سب دیکھ رہا تھا اور کوئی طاقت مجھے وہاں کھینچ لے گئی، جہاں عارف صہبائی لوگوں سے چیک اور کیش وصول کر رہے تھے۔

***

"تم ایک راز ہو

ایک وقت ہو۔ وقت محیط ہوتا ہے۔

اور اس میں محیط میں بند رہا ہوں، لاشعوری طور پر کسی ان دیکھی طاقت کے زیرِ اثر۔"

دور سیڑھیوں پر عائشہ اور ذیشان سے باتیں کرتی ہنستی کھلکھلاتی وفا ہاشمی آخر مجھے اس قدر کیوں اچھی لگتی ہے، اگر اچھی لگتی ہے تو میں اسے بتا کیوں نہیں پاتا۔ یہ تو نہیں کہ میں اس سے مادی حیثیت میں کسی طرح سے کم

ہوں۔ کئی ایکڑ زمین، کئی آڑھت کی دکانوں اور پانچ کنال میں پھیلے ہوئے اس عالیشان "راجا ہاؤس" کا واحد مالک۔ میں راجا شہریار اس کامنی نازک سی گڑیا کے لیے یہاں سے وہاں تک بولایا بولایا پھرتا ہوں۔ جی چاہتا ہے اسے اچانک الہام ہی ہو جائے یا پھر میں ہی بہادری سے اس کا ہاتھ پکڑ کر۔۔۔ عکرمہ رسول کی طرح انقلاب برپا کر دوں، دل کی دنیا میں۔ اس سے کہہ دوں کہ وفا ہاشمی۔ ہم جو ندی کے دو کناروں کی طرح ساتھ چل رہے ہیں۔ ہم کشتی میں بیٹھ کر اکٹھے اس فاصلے کو پاٹ دیں اور وہاں تک جائیں جہاں تک یہ کونج قطاریں اپنے گھر، اپنے اصل کی

طرف یا پھر یہ کہ "یہ جو ہمارے درمیان خاموش مصلحت کا صحرا پھیل گیا ہے اس کو مل کر طے کر لیں اور بھاگتے ہوئے آن ملیں اور اگر مل سکنا مقدر نہیں تو پھر راستے میں ہی کسی جگہ گر کر ہانپتے ہانپتے مر جائیں۔"

"سنو۔" وفا ہاشمی نے مجھے پکارا۔ میں نے سر اونچا کیا۔ وہ زرد زرد سی اڑی رنگت کے ساتھ جیسے بھاگتی ہوئی مجھ تک آئی تھی۔

"عکرمہ رسول کو گولی مار دی گئی۔" میرے تو جیسے حواس ہی گم ہو گئے۔

"کب؟ کہاں؟" میں نے بے حد گھبرا کر پوچھا۔

"کسی نئے اجلاس کے لیے اشتہار چھپوانے پریس جا رہا تھا اور اب ہسپتال میں ہے۔"

ہم نے بھاگ کر کار تک فاصلہ طے کیا۔ روحا، عائشہ اور احسن بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے۔ باقی لوگ ایک دوسرے کی کاروں، موٹر بائیک سے فائدہ اٹھا کر ٹھنس ٹھنسا رہے تھے۔ اس قدر شور میں بھی سناٹا سائیں سائیں کر رہا تھا۔

عکرمہ رسول کو آپریشن تھیٹر لے جایا جا چکا تھا، سر عارف صہبائی اور ندیم جوگیزئی باہر کھڑے ہراساں ہو رہے تھے۔

"مگر یہ سب کس نے کیا؟" یہ فیضی تھا۔

"ایکچوئیلی کئی روز سے کاشف رضا اور اس کے ساتھیوں کی طرف دھمکیاں آ رہی تھیں اور پھر آج پریس سے واپسی پر کار میں بیٹھتے ہوئے اگلی طرف سے گولی آئی اور بازو چھیدتی شیشہ پار کر گئی۔ سنبھلتے سنبھلتے دوسری گولی دائیں ہاتھ اور بائیں بازو پر جا لگی۔" ندیم جوگیزئی نے بتایا۔

"اسے زندگی کا رسک نہیں لینا چاہیے۔" میں نے احتجاجاً سوچا آخر کو وہ میرا بہترین دوست تھا۔ وفا وہاں پڑی بینچ پر ساکت بیٹھی شیشے پر پڑی دھند سے باہر جانے کیا چیز دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دروازے کی چرچراہٹ پر سب کی نگاہیں ایک ساتھ دروازے پر نمودار سفید اوور کوٹ پہنے ہاتھوں سے دستانے اتارتے ڈاکٹر پر جا رکیں، جس نے ہمارے مسیحا کی کوئی اچھی یا بری خبر سنانا تھی۔

"گڈ نیوز فار ایوری باڈی۔" ڈاکٹر مسکرایا۔ "لیکن ہوش ابھی نہیں آیا ہے آپ لوگ جائیں۔ فکر کی کوئی بات نہیں اور ہاں۔" ڈاکٹر مڑا۔ "ان کے گھر کوئی اطلاع؟"

اس نے سوالیہ نظریں ہم پر جما دیں۔ ہمیں واقعی یاد نہیں رہا تھا کہ عکرمہ رسول کے گھر اطلاع کرنا تھی۔ میں نے ہسپتال سے باہر آ کر پبلک کال آفس سے انکل عبدالرسول گردیزی کے آفس فون کیا۔ میرے واپس آنے تک سب جا چکے تھے۔ وفا اسی طرح پتھر کی مورتی بنی ساکت بیٹھی تھی۔ میں بھی چپ سادھے ناگن کی طرح بل کھاتی سیڑھیاں گنتا رہا۔ آتے جاتے پژمردہ لوگ۔۔۔ شاید ان کا بھی کوئی عکرمہ رسول۔۔۔ اس

سے آگے میری منفی سوچیں سکڑنے لگتیں۔ کتنا سکوت اور ٹھنڈ ہے اور آخر عکرمہ رسول جیسے لوگوں کا یونہی اختتام کیوں کیا جاتا ہے۔ مجھے جھرجھری آ گئی۔ نہیں عکرمہ رسول کو ابھی جینا ہے۔ ابھی ہمیں کسی محمد بن قاسم کی سخت ضرورت ہے۔ اونچے لمبے قد، چوڑے شانوں والا۔ روشن پیشانی۔ اداس مگر آگے تک دیکھنے والی آنکھوں اور کایا پلٹ دینے والی سوچ کا مالک عکرمہ رسول اسے ابھی زندہ رہنا ہے۔ کتنے سالوں کے بعد کوئی ایک عکرمہ ہی تو پیدا ہوتا ہے۔

***

عکرمہ رسول کے بازو سے گولی نکال دی گئی تھی۔ مگر کاش یوں ہو سکتا کہ گولی نکلتے ہی عکرمہ رسول بھلا چنگا ہو کر کسی نئے اجلاس میں اسی مخصوص کھنکتے لہجے میں انقلاب کی باتیں کر رہا ہوتا۔ مگر بہت سارا خون ضائع ہو جانے کی وجہ سے ہفتے بھر کے بعد تک وہ اٹھ کر بیٹھ نہیں سکا تھا۔ میں اور وفا اس کے آس پاس رہتے۔ وہ جگمگاتی آنکھوں سے ہمیں دیکھتا رہتا۔

"سنو یار۔ اتنا بوجھ مت بناؤ۔" وہ میرا ہاتھ پکڑ کر کہتا۔

"ارے چھوڑو دوست۔ تم جب ٹھیک ہو گے نا تو ایک ایک احسان کا بدلہ چکا لوں گا۔" میں ہنس دیتا۔

"یار! یہ اپنی وفا خاصی ٹھیک ٹھاک نہیں ہے کیا؟" وہ ہنستے ہوئے شرارت سے کہتا تو ہم دونوں کا قہقہہ اس اسپیشل کمرے میں ادھر ادھر پھرتی وفا کو چونکا دیتا۔

"کیوں؟۔۔۔ کیا کوئی چھچھڑا نظر آ گیا؟" وہ مڑ کر کہتی۔

"تصیح کرو۔ کیونکہ چھچھڑے بلی کو نظر آتے ہیں۔" میں نے اسے چڑایا۔

"دیکھو عکرمہ! تمہارا یار کچھ زیادہ ہی اوور ہونے لگا ہے۔" اس نے عکرمہ سے کہا تو وہ مجھے تھپتھپاتے ہوئے مسکرانے لگا۔ اس کے مام اور پاپا اپنے اس اکلوتے بیٹے کے گرد یوں چکر لگاتے، جیسے کوئی منتر پڑھنے کے بعد کسی کے گرد پھیرے لگاتا ہو۔

***

آج کئی روز کے بعد میں یونیورسٹی آیا کیونکہ فائنل سمسٹرز میں صرف دو ماہ رہ گئے تھے۔ میں لائبریری کے سامنے کھڑا سر آفاق رضوی اور سر شاہد چغتائی سے "العزم" کی کامیابیوں اور عکرمہ رسول کی صحت کے بارے میں ڈسکس کر رہا تھا کہ ذیشان اور ناہید جعفری نے مجھے آلیا۔ میں سر سے معذرت کرتا ان کے ساتھ ہو لیا۔

"رات ہم سب دوستوں نے عکرمہ رسول کی صحت کا جشن منانے کے لیے ایک چھوٹی سی تقریب ارینج کی ہے۔ آؤ گے نا؟" ذیشان نے پوچھا۔

"تم اتنے دن سے غائب تھے اور ہمیں عجیب سا لگ رہا تھا کہ عکرمہ رسول کی اتنی اہم تقریب ہو اور تم ندارد۔" ناہید جعفری نے اپنی مخصوص مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے کہا۔

"تھینکس کہ تم نے بتا دیا ورنہ شاید ندارد ہی ہوتا۔" میں نے شکریہ ادا کیا۔

"الرسول لاج" میں شام چھ بجے سے ہی لوگ ہجوم در ہجوم آتے رہے۔ ان میں خاص طور پر جرنلسٹ آگے آگے تھے "جو گولی لگنے کی وجہ اور کس نے ماری" کے تجسّس میں پھنسے تھے۔ عکرمہ رسول ہنس ہنس کر انہیں ڈیل کر رہا تھا اور کسی ایک کو بھی اس ساری کہانی میں اس نے قصوروار نہ گردانا۔

"عجیب ہو عکرمہ تم بھی۔ کہہ دیتے سب کچھ، بے نقاب کر دیتے ان شہروں کو۔" میں نے غصے سے کہا۔

"نہیں یار۔ اس طرح ذاتی لڑائی ابھرتی اور "العزم" کہیں پیچھے رہ جاتا۔ ہم نے کسی ایک کاشف رضا پہ نہیں رکنا۔ ہمیں ایسے سب بڑے لوگوں نے للکارا ہے اور ہم ایک تحریک کی صورت میں ان کی ٹھکائی کریں گے۔ جب ان کی چاروں سمتیں بند ہو جائیں گی پھر ان کا کھوکلا پن دیکھنے والا ہو گا۔" عکرمہ رسول کے لہجے کا سچ میرے یقین کو کافی تھا۔

"ہائے۔" وفا بے بی پنک شلوار کرتے میں بڑا سا دوپٹہ شانوں پر پھیلائے دنیا کی خوب صورت ترین لڑکی لگ رہی تھی۔

"ہیلو وفا! آؤ۔" عکرمہ رسول نے بڑی وارفتگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ سیاہ نفیس گلووز میں سے اس کے گلابی ہاتھ چمک رہے تھے۔

"تم خلافِ معمول کسی ایسی تقریب کے لیے کیسے راضی ہو گئے؟" اس نے بال پیچھے ہٹاتے ہوئے شنگرفی ہونٹ سکوڑے۔

"اصل میں یار! لوگوں کی خوشی تھی۔ پھر ہم نے تو "العزم" ہی کی بات کرنا ہے۔" عکرمہ رسول نے صفائی پیش کی۔

"آؤ بیٹا آؤ! کیسی ہو؟" انکل عبدالرسول وفا کو ساتھ لپٹائے ہوئے بولے۔

"بالکل ٹھیک۔ آپ کہیں، کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" وفا نے پوچھا۔

"میں تو ٹھیک ہوں۔ تمہاری آنٹی کا بلڈ پریشر کل سے بہت ہائی ہے۔ یوں بھی جب سے عکرمہ کے گولی لگی

ہے۔تب سے حواس ٹھیک نہیں ہوئے۔ منتیں کر کر کے تھک گئی ہے، مگر عکرمہ ہنس دیتا ہے۔ بہادر ہے۔"

انکل نے تفصیلاً بتایا۔

"آخر بیٹا کس کا ہے۔" میں نے مداخلت کی۔

"آؤ آؤ راجا صاحب آؤ۔"

"شکریہ انکل۔" میں وہاں پڑی اگلی کرسیوں پر آ کر بیٹھ گیا۔ وفا میرے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کے وجود سے اٹھنے والی ہلکی ہلکی مہک مجھے بے حال کر رہی تھی۔

"کافی مکس گیدرنگ ہے۔" میں نے کئی اڑتے سمٹتے آنچلوں اور وارفتگی سے دیکھتے مردوں پر نظر دوڑائی۔

عکرمہ رسول اسٹیج پہ آیا تو "العزم" اور انقلاب کی باتیں گونجتی رہیں۔

"تم جانتے ہو شہریار! عکرمہ رسول نے مجھے پرپوز کیا ہے۔" میرے بائیں طرف سے آواز آئی میں پتھر ہونے لگا اور اس پر نظریں گاڑ دیں۔

"پھر؟" میں نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔ کاش یہ جان لے جیسے کوئی مراقبہ کر کے روح کو پڑھتا ہے۔ یہ میری روح کو پڑھ لے۔

"پھر یہ کہ میں اسے ریجیکٹ نہیں کر سکی۔ سو سمسٹرز کے بعد ہی ہماری انگیجمنٹ۔"

میں اپنی منفی سوچوں کے چکر میں پڑا خود کو باور کراتا رہا کہ میں شکست خوردہ نہیں۔ شکست نہ ماننا بھی تو ایک بڑی شکست ہے۔ فیضی اسٹیج پر کھڑا اپنی خوب صورت آواز میں گا رہا تھا۔

جس کا بھی دل ٹوٹا یار وپیمانے میں ڈوب گیا

اک ستارہ چلتے چلتے میخانے میں ڈوب گیا

جان بوجھ کے ڈوبنے والے تجھ سے ہی تو شکوہ ہے

اس سے کوئی گلہ نہیں جو انجانے میں ڈوب گیا

میں سن سا روبورٹ کی مانند سب دیکھتا رہا، بغیر کسی غم، کسی خوشی کے۔ پھر اچانک اٹھا اور عکرمہ سے معذرت کیے بغیر اٹھ آیا۔ کیونکہ مجھے اچانک کوئی اہم کام جو یاد آ گیا تھا۔ وہ حیران آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی کہ عکرمہ سے بھی زیادہ کچھ میرے لیے اہم ہو سکتا ہے۔

"واہ یار عکرمہ رسول! تم تو واقعی انقلابی بندے ہو۔ تم نے تو میرے چھوٹے سے خوابوں کے جزیرے میں بھی انقلاب برپا کر دیا۔" میں بلاوجہ سڑکوں پر بھاگتا رہا۔ جانے میرے لاشعور میں کیسا فاصلہ تھا۔ جو یوں بھاگ بھاگ کر پاٹ دینا چاہتا تھا۔

***

شکست میرے حصّے میں آئی تھی لیکن وہ راجا شہریار ہی کیا جو اپنی شکست کسی تاریک گوشے میں بیٹھ کر سگریٹ پھونک پھونک کر مان جاتا۔ میں یونیورسٹی چلا آیا۔ کلاس لے کر نکلا ہی تھا کہ عکرمہ رسول سے ٹکرا گیا۔

"ہیلو، یار رات میں تمھیں بہت ڈھونڈتا رہا۔ لیکن تم نہیں ملے۔ پھر وفا نے بتایا کہ تمھیں کوئی ضروری کام یاد آ گیا تھا۔ وہ بھی رات بارہ بجے۔" اس نے بشاش لہجے میں کہا۔

"بس یار! طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔" میں فرار چاہتا تھا۔

"چلو آؤ چائے پیتے ہیں۔" میں اس کے پیچھے پیچھے یوں چلنے لگا جیسے ٹرین کا کوئی ایک ڈبہ دوسرے کے پیچھے۔

"بیٹھو۔" اس نے مجھ سے کہا۔

"ہیلو موج دریا۔" اس نے ٹیبل بوائے رحمت خان کو ہمیشہ کی طرح موج دریا پکارا۔

"یس سر۔" وہ روبوٹ کی طرح حاضر ہوا۔

"اچھی بلکہ بہت اچھی دو چائے۔"

"ابھی لایا۔" کہہ کر وہ چلا گیا۔

"یار! یہ موج دریا بھی واقعی موج دریا ہے۔ اب دیکھو نا اس زمانے میں ہے کوئی اتنا سادہ اور سیدھا۔ آج کل کے تو پاگل بھی ہوشیار ہیں۔" وہ بھرپور ہنسی ہنستا رہا اور میں خاموشی سے خود کو مضبوط بنانے میں لگا رہا۔

"کیا بات ہے یار۔ اتنی سنجیدگی اور تم؟ اور آج شیو بھی نہیں کیا تم نے؟"

میں خاموش رہا۔

"اگر طبیعت خراب تھی تو نہیں آنا تھا نا آج؟"

وہ مسلسل بول رہا تھا اور میں مسلسل چپ۔

"تم بیٹھو میں ذرا موج دریا سے ٹیبلٹ لے لوں۔

شاید کوئی رکھی ہو۔" میں اٹھ آیا۔ میرے گلے میں آنسوؤں کا پھندا تھا۔

"واہ راجا شہریار۔ تم تو بہت بودے نکلے۔" میں نے بیسن پر لگے شیشے میں اپنی سرخ آنکھوں کو دیکھا اور پانی کے چھینٹے مارنے لگا۔ جانے میں کیوں خود کو بے بس پا رہا تھا۔ بہت بے بس اور پھر یہ عکرمہ رسول کو بھی تو

آج ہی مجھ سے ملنا تھا۔ ادھر ادھر ہوتا ہوا میں واپس آیا تو وہ میری ڈائری کے آخری صفحات کھولے بیٹھا تھا۔ ہم ایک دوسرے کے اس قدر قریب تھے کہ ڈائری جیسی ذاتی چیز پڑھنے کے لیے پوچھنا نہیں پڑتا تھا۔ بلکہ میں یا وہ اگر کوئی خوب صورت نظم یا کوئی بات پڑھتے تو ایک دوسرے کو پکڑ پکڑ کر سناتے۔

"سوری یار! لیکن ہے بڑی انٹرسٹنگ چیز۔" اس نے ڈائری کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا؟" میں حواس میں آنے لگا۔

"یہی رقیب سے۔" اس نے فیض کی نظم کی طرف اشارہ کیا۔

"واہ یار بہت اچھی چیز ہے یہ۔"

وہ ڈائری مجھے پکڑاتے ہوئے ہنسا۔ "چلو چلتے ہیں۔" اور پھر ہم چائے پیے بغیر اٹھ آئے اور موج دریا ہمیں آوازیں دیتا رہا۔

***

سمسٹر کے بعد میں اس ڈریم گرل کی سوچوں سے بچنے کے لیے۔ کتابوں میں پناہ تلاش کرنے لگا۔ میں فیروز سنز سے تصوف کے موضوع پر سید عبدالعزیز دباغ کی کتاب "ابریز" لے کر آ رہا تھا۔ تصوف کی کتابوں میں بھی اک سکون ہوتا ہے۔ میں سوچتا ہوا آ رہا تھا کہ مجھے احسن مل گیا۔

"ہیلو راجا شہریار جی۔" وہ میری طرف لپکا۔

"ہیلو۔" میں رک گیا۔ کافی دیر "العزم" کی جوانی کے قصے ہوتے رہے۔ "ویسے راجا عکرمہ رسول نے اچھا ہو کر بھی کچھ اچھا نہیں کیا۔" میں مترجب سا اسے دیکھنے لگا شاید کوئی نیا "بریو اسٹیپ" بغاوت کی حد

تک۔

"کیا۔۔۔!" وہ اور بھی حیران رہ گیا۔

"یعنی عکرمہ جو راجا کے بغیر ایک قدم آگے نہیں چلتا تھا۔ واقعی یار یہ شہرت بھی بڑی بری چیز ہے۔ بڑوں بڑوں کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکال لیتی ہے۔" وہ تفصیل بتا رہا تھا۔ میں خاموشی سے سنتا رہا۔

"کیا بھئی مجھے کچھ معلوم نہیں۔" میں نے بیزاری سے اخلاق کے دائرے میں رہ کر کہا۔

"تو تمہیں علم نہیں کہ عکرمہ نے رفا سے کنارہ کسی کر لی۔ میرا مطلب ہے، انگیجمنٹ نہیں ہو سکی۔ حالانکہ دونوں ہی خوش تھے۔ پھر جانے کیا ہوا۔"

شوں شوں۔ میرا سر گھومنے لگا۔ مال روڈ کی ساری ٹریفک جیسے میرے اوپر دوڑنے لگی۔ ساری عمارتیں میرے اوپر آن گریں۔

"لیکن کیوں؟" میں نے بمشکل ملبے کو منہ سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"ہم لوگ گئے تھے وفا کی طرف لیکن یار! اس کی چپ نے بہت دکھ دیا۔ بہت اپ سیٹ تھی وہ۔ اب دیکھو نا اس کی زندگی کے لیے یہ چھوٹی سی بات مسئلہ بھی بن سکتی ہے۔"

میں اپنے سینے پہ پڑا بوجھ ہٹانے میں لاچار ہو رہا تھا۔ میں وحشی بنا سکرمہ رسول کو ڈھونڈتا رہا۔ کیا حق تھا اسے ایک لڑکی کو نارسائی کا دکھ دینے کا۔ بلاوجہ؟ کیوں آخر کیوں؟ فرعون بنا پھرتا ہے۔ سمجھتا کیا ہے خود کو؟ میں کھولتا رہا اور دو روز کی مسلسل کوشش کے باوجود نہ عکرمہ کو ملنا تھا نہ ہی وہ ملا۔ میں وفا کی طرف چلا آیا۔ وہ تنہا ہی لان میں ایزی چیئر کی بیک سے سر ٹکائے آگے پیچھے جھول رہی تھی۔ آنکھیں بند کیے جانے کس دیس میں

بسنے والوں کو سوچ رہی تھی۔

"ہیلو۔" میں اس کے پاس پڑی چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"ہیلو۔" اس نے اتنی حیرت سے مجھے دیکھا کہ خود مجھے بھی اپنے وہاں ہونے پر حیرت ہونے لگی۔ کافی دیر خاموشی رہی۔ وہ پاؤں کے انگوٹھے سے گھاس کھرچتی رہی۔ اور میں کیا پوچھوں کیا نہ پوچھوں کے نفی و اثبات میں پڑا رہا۔

"کیسے ہوا یہ سب؟" بالآخر میں نے چپ توڑی۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر جھکا لیں۔ مجھے لگا کہ اس کی نظریں کہہ رہی ہوں کہ "جب ٹھکرا دیا گیا تو وجہ کے کیا معنی؟"

"مگر پھر بھی کوئی ریزن ایبل وجہ۔ جس کی آڑ میں۔"

میں نے پوچھنا چاہا مگر خود کو روک لیا۔ یہ سب بار بار کہنا وفا کو نارسائی کے گڑھے میں بٹھا کر اوپر سے پتھر مارنے والی بات تھی۔ اسے ٹھکرائے جانے کے کلنک سے بچانے کے لیے میں ہر راہ ہر زاویے سے سوچتا رہا۔

"وہ ایسا تو نہیں تھا پھر؟" میں نے لمبے سکوت سے گھبرا کر سوال داغا۔

"یہی تو دکھ ہے راجا شہریار! کہ تم، میں سب یہ جانتے ہیں کہ وہ ایسا تو نہیں تھا پھر۔۔۔ اور اب لوگ مجھے شک کی نظروں سے دیکھنے لگے ہیں۔"

یہ سن کر میں کیسے حواس میں رہ پاتا۔ میں جو سوچتا تھا کہ اسے وہاں رکھوں جہاں زمانے کا کوئی گرم سرد اس پر اثرانداز نہ ہو۔ اے عکرمہ میرے دوست، میرے یار نے سر بازار نیلام کرنا چاہا۔ کیسا شخص ہے تو عکرمہ رسول! یہ قوم کی بیٹیوں کی چادر کی تو قسم کھاتا ہے اور تیرا بیگ گراؤنڈ یہ ہے کہ تو نے بغیر کسی وجہ کے اس

معصوم کو رسوا کر ڈالا۔ کچھ تو جواز رکھتے یار۔" میں سوچتا رہا۔ غصے میں چٹختا رہا اور وہ اپنے بلاوجہ ٹھکرائے جانے کے صحرا میں ریت اڑاتی رہی۔ میں بغیر کچھ کہے سنے اٹھ آیا۔ پھر نہ میں نے عکرمہ کو ڈھونڈنا چاہا نہ ہی وہ مجھے ملا، مجھے دکھ تھا کہ اگر وہ کسی بات سے پریشان تھا تو میرے پاس آتا جسے وہ اپنا واحد "خاص" کہتا تھا میرے پاس آتا۔ کچھ کہنے سننے۔ لیکن اس نے تنہا ہی سارے فیصلے کر ڈالے۔ شاید یہ اس کا بہت ہی پرسنل مسئلہ تھا۔ بہت پرسنل۔

لمبی چوڑی تمہید کے بجائے میں نے بابا کو براہ راست انکل ابرار حسین ہاشمی کو وفا کے لیے اپنا پروپوزل دے بھیجا اور مجھے حیرت اس وقت ہوئی جب بہت خاموشی سے قبول کر لیا گیا۔

کس مصلحت کے تحت وفا تم نے اتنی جلدی پروپوزل قبول کر لیا۔ تم کئی بار مجھے ٹھکراتیں اور میں کئی بار نئے سرے سے تمہارے پاس چلا آتا تمہیں مانگنے۔ میں بے حد خوش تھا۔ وفا کی طرف سے انگیجمنٹ اور شادی سے ابھی منع کر دیا گیا تھا میں پی ایچ ڈی کے لیے امریکہ جانا چاہتا تھا۔ پھر مجھے کیسے یقین رہتا کہ وہ میری ہے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ فریقین "نکاح" پر متفق ہوئے تو مجھے لگا جیسے وہ جیتا جاگتا خوب صورت تراشا ہوا مجسمہ بمع جیتے جاگتے دل کے ساتھ میں نے ایشو کروا لیا ہے۔ ایئرپورٹ پر آنٹی اور انکل ابرار حسین ہاشمی کے ساتھ جگمگاتی آنکھوں والی وفا بھی مجھے سی آف کرنے آئی تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے اپنی سچی جیت کا احساس بہت خوش کر گیا۔

"ارے یار۔ وطن سے جاتے وقت بڑے بڑے گھاگ لوگ رو پڑتے ہیں اور تم واحد شخص ہو جو بہت خوش

ہے۔" انکل نے ہنستے ہوئے میرے شانے تھپتھپائے۔

"جہاز جب فلائی کرے گا تو شاید ایسا ہی ہو۔ فی الحال تو بہت خوش ہوں۔"

میں نے انکل کے پیچھے سمٹی سمٹی سی مسکراتی ہوئی اس وفا کو دیکھا جو میرے ساتھ لمبی بحث و تکرار کرتے ہوئے نہیں گھبراتی تھی۔ یہ سب جو آنا فاناً ہوا تھا مجھے غم اور خوشی سے آگاہ کر گیا۔ مجھے اس عرصے میں علم ہوا کہ کسی کو کھونے کا دکھ کیا ہوتا ہے اور پھر اچانک مل جانے کی خوشی کیا۔ مجھے تقدیر پر یقین آنے لگا۔

"یہ ہیرا اپنی قسمت میں ہی لکھا تھا عکرمہ رسول"!

وہ بھیگتی آنکھوں سے ہنستے تھرتھراتے لبوں سے جب مجھے گڈ بائے کہہ رہی تھی، میں مسحور سا اپنی آنکھوں سے اسے عکرمہ رسول کی طرف سے لگنے والے دھچکے اور دکھ کو دھوتا رہا۔

***

"اس روز جب میں اپنے ڈیپارٹمنٹ میں بیٹھا نوٹس تیار کر رہا تھا تو عائشہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "ہیلو عکرمہ رسول۔"

"ہیلو عائشہ! تم کب سے یہاں آکسفورڈ میں ہو؟" اس کی حیرت میں ڈوبی آواز مجھے سنائی دی۔

"میں تو کوئی چھ ماہ سے یہاں ہوں۔ پی ایچ ڈی کرنے کے لیے۔" عائشہ جو پاکستان میں سب سے بیزار مشہور تھی اس وقت اپنا ہم وطن دیکھ کر چہچہا رہی تھی۔ یہ بے وطنی بھی بہت بری چیز ہے۔

"اچھا تو ڈگریوں کے سارے چکر ہیں۔" وہ ہنسا۔

"ہاں بس یہی سمجھو۔ آؤ تمہیں راجا سے ملواؤں۔" وہ اسے لیے میری طرف آئی۔

www.Paksociety.com

"السلام علیکم یار۔" کسی انگریز ملک میں کوئی اور مجھے اس طرح کہتا تو شاید میں بے تحاشا خوش ہوتا۔

"وعلیکم السلام۔" اخلاق کا تقاضا تھا۔

"کیسے ہو یار؟" وہ میری آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"بہت اچھا۔" میرے اس قدر سپاٹ چہرے سے اسے ہی نہیں عائشہ کو بھی اچنبھا ہوا۔

"اچھا تم بیٹھو میں ذرا فینسی سے کل کے نوٹس کی بابت پوچھ لوں۔" عائشہ یہ کہہ کر نکل گئی۔

"کیا بات ہے؟ کچھ پریشان۔۔۔" وہ چپ سا ہو گیا۔ اور میں ایک ٹک اسے دیکھتا رہا۔

"تو عکرمہ رسول! تمہیں کون سا اس انقلابی مہم کو سر کرنے پر گولڈ میڈل مل گیا ہے۔ جو تمہاری آنکھوں کے نیچے اس قدر سیاہ حلقے پڑ گئے ہیں اور چہرے پر پژمردگی نے ڈیرا جما لیا ہے۔ تم کو کس چیز نے پریشان کیا ہوا ہے۔ تمہیں بھی تمہارا اندر ضرور بے چین رکھے گا۔ جب تک تم جیو گے۔" میں ایک دم پھٹ پڑا۔

"ارے سنو تو۔ کیا ہوا، ناراض ہو کیا؟" وہ بے بس سا مجھے دیکھنے لگا۔

"نہیں۔ ناراض ہونے کی ایسی کیا وجہ ہو سکتی ہے انقلابی عکرمہ رسول؟"

اس کا چہرہ مزید زرد پڑ گیا۔ "تم بھی مجھ ہی سے بدظن ہو۔" وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے کچلنے لگا۔

"یہاں کیلیفورنیا میں کس سلسلے میں ہو؟" میں نے بات گھمائی۔ آخر اخلاق بھی کسی چیز کو کہتے ہیں۔

"العزم" کے سلسلے میں۔" وہ خود پر قابو پا چکا تھا۔

"اس کا مطلب ہے تم نے بہت ترقی کر لی۔ بین الاقوامی سطح پر بھی۔" میں نے طنزاً کہا۔

"میں نے نہیں۔ "العزم" نے۔" اس نے تصحیح کی۔

"تو کیا اب ہمارا ملک یوٹوپیا بن گیا۔"

میرا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ اسے دیکھ کر میں قابو میں نہیں رہا تھا۔ جی چاہتا تھا اس سے ساری حقیقتیں منوالوں، جھنجھوڑ ڈالوں اسے۔ وفا کی ان چند ہفتوں کی اذیت کا چن چن کر حساب لوں۔ مگر میں جانے کیوں خاموش ہو گیا۔ میں قلم بند کر کے ٹیبل کو کھرچنے لگا۔ کیونکہ میں اس وقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

"یار! جہاں پوری سوسائٹی نہ چاہے وہاں ایک "العزم" کیا کر سکتی ہے، ماسوائے اس کے کہ اگر برائیاں ختم نہ کر سکے تو سامنے ہی لائے۔ لوگ کم از کم برائی کی وجہ ہی جان لیں۔" وہ ابھی مایوس نہیں تھا۔

"وجہ ہی تو برائی کا بڑا سبب ہے۔" میں نے سوچا۔

"تو کیا یہاں مغربی اقوام سے سفارش کرنے آئے ہو۔" مجھے اس کا وہ زور زور سے مغربی اقوام کے خلاف بولنا یاد آ گیا۔

"نارکوٹکس۔۔۔ منشیات ہمارا آج کا اہم ترین مسئلہ جسے لوگ پڑھ کر ہنس دیتے ہیں۔ بہت عام سا لفظ مگر گھر اجاڑ دینے والا۔۔۔ ڈرگ مافیا کے خلاف بظاہر چھوٹی لیکن ایکچوئیلی ایک بڑی جدوجہد۔" اس نے وضاحت کی

"مگر یار جب ہم اقوام متحدہ کے سیکرٹری سے ملے تو۔۔۔ اس نے ہمیں ہی موردِ الزام ٹھہرایا مت پوچھو کہ اس وقت ہمارے احساسات کیا تھے؟ وہ کہنے لگا کہ "سب سے زیادہ ہیروئن اور افیون کی پیداوار تمہارے ممالک میں ہوتی ہے۔ بلکہ ہمیں بھی بچاؤ ہماری اسّی فیصد آبادی تمہارے دیے گئے اس تحفے سے فیضیاب ہو رہی ہے۔" وہ زچ ہوتا ہوا بولا۔

21

"ایک بڑا ملک ہمارے لوگوں کو مجرم ٹھہرا کر ہمیں اچھال رہا ہے۔ تو پھر بتاؤ نا کہ آخر ایک "العزم" وہاں کتنا کچھ کرے جہاں اقوام متحدہ بھی لاچار ہے۔"

میں نے اس قدر پریشان آج سے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"سب سے بری اسٹیج وہ ہے یار! جہاں انسان کچھ کرنا چاہیے مگر وہ کچھ نہ کر پائے۔"

وہ اٹھ بیٹھا۔ میں خاموشی سے اس کے پیچھے چلتا ہوا روڈ پہ نکل آیا۔ "یہ بڑی بڑی پُر شکوہ عمارتیں۔ یہ صاف اور کشادہ سڑکیں یہ ہماری ان چھوٹی چھوٹی سڑکوں اور ان عمارتوں کے سامنے کچھ نہ رہیں۔ اگر ہم کچھ کرنے کا عزم کرلیں۔"

عام سی جینز اور کوٹ پہنے مفلر کانوں کے گرد لپیٹے یہ شخص بظاہر دیکھنے والوں کو کتنا عام لگ رہا ہوگا مگر ذاتی خلش کے باوجود اس وقت مجھے وہ بہت اونچا لگا کہ کم از کم کوئی اتنا اچھا سوچتا تو ہے۔ ہم نے سوچنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ "خدا کرے عکرمہ رسول! تمہاری آواز میں بولتی ہماری سوچیں سچ ہو جائیں تو پھر ہم میں سے کسی کو بھی یہ بڑے ہوٹلز اور سجی سجائی خوب صورت دکانیں امپریس نہ کر سکیں۔" میں سوچنے لگا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس بڑے شہر کی دھند میں کہیں گم ہو گیا۔

پاکستانی اخبارات "العزم" کی بہترین کارروائیوں سے پُر ہونے لگے۔ کبھی ڈرگ مافیا کے کسی بڑے ایجنٹ پر کوئی بڑا چھاپہ۔ اغواشدہ بچوں کی برآمد اور بہت سی بڑی بڑی سماجی برائیوں کے سامنے ڈٹ جانے کی کارروائیاں۔ عالمی سطح کے اخبارات، میگزین میں "العزم" کا شور مچ گیا اور میں اس چھوٹی سی تحریک کے بارے میں سوچتا رہا۔ جب یہ شروع ہوئی تھی اور بہت سے لوگوں نے اس کا مذاق اڑایا تھا۔ اگر انسان ڈٹ

جائے تو بھلا کیا مشکل ہے۔ مگر ایک ذاتی خلش جو بظاہر بہت چھوٹی اوت اگنور کر دینے والی تھی۔ مگر شومئ قسمت کہ ہمیشہ مجھ پر حاوی رہی اور میں عکرمہ رسول سے اندر ہی اندر دور رہا۔

وفا کے فون آتے رہتے اور وہ ہنستی روتی گڑیا میرے

جینے کا، یہاں بے وطنی میں وقت گزارنے کا جواز، جس کی آواز بنی رہی۔ میری محبتیں جان کر وہ بے انتہا خوش تھی اور اس کا اس جملہ پہ فون بند کرنا کہ "اب آجاؤ" یہ چھوٹا سا جملہ میری عمر کی کمائی تھا۔ میں بھی مسحور تھا اور وہ بھی نارسائی کے ہر بوجھ سے آزاد میری وجہ سے خوش۔ یہ خود پرستی مجھے بہت اچھی لگتی۔

***

پاکستان پہنچتے ہی مجھے پنجاب یونیورسٹی میں ہی جاب مل گئی۔ وہی سبز روشیں، وہی اٹھتی گرتی سیڑھیاں۔ بڑے بڑے ہال اور لان اور وہی موج دریا۔ لگتا تھا ابھی کہیں سے عکرمہ رسول! گرجتا ہوا آئے گا اور پھر وفا اسے "باغی کہیں کا" کہتی ہوئی اس پر طنز کرے گی اور وہ ہنستا جائے گا۔ ہنستا چلا جائے گا۔

"العزم" اسی طرح جوان تھا۔ سر عارف صہبائی اب بھی کوئی عکرمہ پیدا کرنا چاہ رہے تھے اور وہ عکرمہ رسول جس کا پچھلے چھ ماہ سے کچھ پتا نہ تھا۔ اکبارات عالمی لیول پر عکرمہ رسول کے بارے میں پیش گوئیاں کرتے رہے تھے۔ شور اٹھ گیا تھا جس کے لیے ذرہ ذرہ رو رہا تھا اور رونے سے ہراساں بھی کہ شاید وہ کہیں سے اچانک آجائے۔ اپنی فطرت کے مطابق چونکا ڈالے سب کو مگر عکرمہ رسول کو نہ آنا تھا نہ ہی وہ آیا میرا جی چاہتا اسے پکڑ کر لاؤں۔

"دیکھو عکرمہ رسول! تمہاری وہ چھوٹی سی کوشش ایک جدوجہد بن کر پورے عالم کے سامنے تن گئی ہے۔

دیکھو تمہارا لگایا ہوا وہ پودا درخت بن چکا ہے اتنے کم عرصے میں۔ تم نے کبھی نہیں دیکھا کہ تم رات کو پودا لگا کر سوئے ہو اور صبح وہ تناور درخت بن کر جلتی دھرتی پر سایہ فگن ہو جائے۔ آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔"

مام اور پاپا کی جہاز حادثے میں موت نے اس پر بہت اثر چھوڑا تھا۔ پھر وہ اپنی ساری جائیداد اور فیکٹریز کا اکلوتا ہونے کے سبب "العزم" کو دے کر خود روپوش ہو گیا۔ اس پانچ کنال کے الرسول لاج پر لگے "العزم" کے بورڈ کو دیکھ کر وفا ہمیشہ مجھے دیکھتی اور میں اسے۔

وفا نے میری زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں بھر دی ہیں۔ مگر وہ خلش جس پہ میں عکرمہ سے ناراض رہتا تھا اب گرہ کی صورت میں مجھے بے سکون رکھتی ہے۔ وہ میرا دوست، ہمارا پیرو جانے کہاں بس رہا تھا۔ وقت نے ہماری جھولی میں پھول ڈالا تو ہم بے حد خوش تھے۔ میں نے اس کی سرخ ہوتی جبین پر بوسہ لیتے ہوئے کہا۔

"یہ میرا عکرمہ ہے۔" وفا نے پہلے مجھے حیرت سے دیکھا اور پھر ہنسنے لگی۔ اسے علم ہے۔ وہ جانتی ہے کہ مجھے عکرمہ سے کتنا لگاؤ تھا اور اسے ڈھونڈنے کے لیے کیسے میں نے اندر ہی اندر کوششیں کی ہیں۔

***

فرض کرو ہم اہل وفا ہوں فرض کرو دیوانے ہوں

فرض کرو یہ دونوں باتیں جھوٹی ہوں افسانے ہوں

فرض کرو یہ جوگ بجوگ کا ہم نے ڈھونگ رچایا ہو

فرض کرو بس یہی حقیقت باقی سب کچھ مایا ہو

میں عکرمہ رسول گردیزی اور بقول راجا شہریار کے انقلابی عکرمہ رسول جو آج ے ک اپنی زندگی میں انقلاب

برپا نہ کر سکا۔ اخبار، ریڈیو پر "العزم" کی نارکوٹکس اور سماجی برائیوں کے خلاف ڈٹ جانے اور پھر کامیابیوں کی ایک لمبی قطار میرے اندر ایک سکون سا بھر دیتی ہے۔ سکون جو میں یہاں ڈھونڈتا پھرتا ہوں۔ کوئٹہ کی اس پسماندہ سی بستی سے بھی آگے اکیلے کچے مکان میں بیٹھا دل کی آگ پہ پانی ڈالنے کو ترس رہا ہوں۔ بابا نذر محمد لکڑیاں لا کر آتشدان جلانے کی کوشش کر رہا ہے۔

"بیٹا! کھڑکی بند کر لو۔ بہت سردی ہے۔"

بابا مجھے ہمیشہ سردی سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسے پتا ہے نا کہ میں ساری ساری رات کھانستا رہتا ہوں اور جب مجھے کھانسی کا دورہ پڑے تو وہ اس تنہا مکان میں کف سیرپ کا ایک چمچہ پلانے کے علاوہ میرے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ اس نے آج تک مجھ

سے بہت کچھ پوچھا ہے۔ بس حیران سا اپنی بوڑھی آنکھوں سے مجھے تکتا رہتا ہے۔ اسے کیا پتا کہ میں کیسے چھپتا پھر رہا ہوں۔ اپنے آپ سے۔ اپنے لوگوں سے، مجھے خود نہیں علم یا ایسا ہے کہ میں خود سے چھپاتا پھرتا ہوں کہ یہ جوگ کیسا۔ کیوں؟ کس کی خاطر۔ راجا شہریار "اپنے یار" کے لیے۔ خود کو چھپانے کے لیے یا اس کامنی سی وفا کے لیے۔ بابا نے چھوٹا سا لیمپ جلایا ہے تاریکی کو دور کرنے کے لیے۔

"تم نے ابھی تک کھڑکی نہیں بند کی بیٹا۔"

وہ آگے بڑھ کر کھلی کھڑکی بند کر دیتا ہے۔ "میرے اندر اتنی آگ ہے بابا جسے ٹھنڈا کرنے کے لیے اتنی سردی ناکافی ہے۔"

"آجاؤ کھانا کھا لو بیٹا۔" وہ بنگلے سے کھانا لایا ہے اور مجھے اندازہ ہے کہ اس کے سوالات سے بچنے کے لیے بلکہ

اس کی خوشی کے لیے مجھے چند لقمے لینا پڑیں گے۔

"آج پھر ایک نیا جوڑا آیا ہے بنگلے میں۔ایک بچہ بھی ہے ساتھ۔" بابا نے اطلاع دی۔

"اچھا۔"

بابا پھر خاموش ہو گیا ہے۔کبھی کسی روز میں بھی اس بنگلے میں آیا تھا سکون کی خاطر۔پھر یہ جگہ مجھے اچھی لگی اور بابا بھی۔اور میں بن باس کاٹنے یہاں رک گیا۔کتابیں اور یادیں میرا سہارا ہیں۔ہاں اخبار روزانہ باقاعدگی کے ساتھ بابا مجھے بنگلے سے لا کر دیتا ہے اور میں نہر کے کنارے انتہائی سردی اور دھند میں بیٹھ کر پڑھتا ہوں۔بابا کے منع کرنے کے باوجود۔

مجھے پانی اچھا لگتا ہے۔میں اس پر نظریں جمائے بیٹھا رہتا ہوں۔پھر دیکھتے دیکھتے اس میں "یار" کی دو بڑی بڑی بادامی آنکھیں ابھر آتی ہیں۔یہی پانی جوان آنکھوں کی سطح پر تیر رہا تھا مجھے چونکا گیا۔میں نے بھی اس پانی کے سامنے یار کو بے بس پایا تھا اور وہ چھینٹے مار مار کر لاچار ہو رہا تھا اور میں نے اپنا آپ ہار دیا تھا۔یہ محبتیں، یہ عشق ہے ہی بری چیز اور پھر کوئی ایسا۔اس قابل ہو جس کی خاطر یہ سارا سوئمبر رچایا۔۔جائے اور وہ وفا۔۔کانچ ایسی نازک لمبی لمبی خوب صورت آنکھوں

شنگرفی ہونٹوں والی وفا جس کی معصوم مسکراہٹ اس کی ذات کا خاصہ تھی۔اس کے لیے یہ سارا سوئمبر رچایا جا سکتا ہے،جوگ بھی لیا جا سکتا ہے۔

یہ ڈائری بھی عجیب ہوتی ہے۔جب تک دسترس میں ہو،رازدار رہتی ہے اور جب کسی اور کے ہاتھ لگے تو راز کھولتی چلی جاتی ہے۔

جیسے اس روز میں نے یار کو حرف حرف پڑھ لیا تھا پھر بھی مجھے حیرت ہوتی ہے۔وہ اپنی "ڈھونڈ" میں اس قدر گم تھا کہ اسے آج تک یہ خبت نہیں کہ وفا جیسی معصوم لڑکی کو چھوڑنے پر مجھے کس چیز نے مجبور کیا۔

تمہاری آنکھوں کے سوالوں سے ڈرتا ہوا میں

یہاں چھپا بیٹھا ہوں یار۔میں نے کبھی تمہیں لفظی طور پر "یار" نہیں کہا تم میرے جگری یار تھے۔پھر میں نے اپنا آپ داؤ پر لگا دیا۔

یہ تو بعد میں مجھ پہ کھلا کہ وہ کامنی سی گڑیا میری مراد تھی اور جس کے بغیر میں نامراد تھا۔پھر وہ شہرت، وہ عزّت، وہ دولت میرے کس کام کی؟ بولو نا یار۔تم تو جانتے ہو کہ کسی کو کھو دینا کتنا کرب آمیز ہے۔پر یار کسی کو کھو کر جوگ لینا بھی بڑا لذّت آمیز ہے۔پر ہے بہت مشکل۔

اس تلاش میں مجھے نہیں ملی تو وفا نہیں ملی، ورنہ کیا کچھ نہیں ملا۔یہ دربدری، تمہاری تحقیر آمیز نظریں اور وفا کی نفرت۔سوچو یار بھلا اپنی محبت۔اپنے عشق سے بھی کوئی یہ چاہتا ہے کہ وہ اسے غلط اور برے الفاظ میں یاد کرے؟ یہ عشق محبت بڑی خود غرض چیزیں ہیں۔پھر وہ کیا تھا کہ میرے حصّے میں یہی آیا۔میں تمہارے اس سوال سے بہت بھاگتا ہوں کہ آخر بلا جواز؟ وفا کو کیوں چھوڑا؟ تو یار میں تمہیں کیا جواز بتاتا؟

مجھے خبر ہے کہ جب کھانسی کے دورے کے وقت مجھے تھوک میں خون آتا ہے تو بابا کتنی بے چارگی سے مجھے دیکھتا ہے۔اس کا میرے جتنا جوان بیٹا جسے موت کھا گئی تھی، اس کی نگاہوں میں صاف لکھا ہوتا ہے کہ کتنا اونچا اور خوب صورت جوان ہے مگر یوں ضائع ہو رہا ہے۔مجھے اپنی عمر کے پچھلے تیس سال بہت زیادہ لگتے اگر میں کچھ نہ کر سکتا یا بہت کم لگتے اگر میں یوں بے بس نہ ہو جاتا۔

ہاں یار میں بے بس ہونے لگتا ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے تم مجھے ملو گھر چلے آؤ۔ تم نہیں آئے مگر سوچوں کہ تم آئے ہو۔ تم جو میرے اکلوتے "خاص" تھے۔ تمہارے گلے لگ کر ایک بار۔ بے تحاشا روؤں تم میرے لیے اور میں اپنے لیے۔ ہے ناخود پرستی آؤ گلے لگ کر خوب روئیں، میں اپنے لیے اور تم میرے لیے بین کریں اتنی اونچی آواز سے کہ ان اونچے اونچے پہاڑوں کے جگر پھٹ جائیں۔ ہماری آہوں سے۔ یہ چھوٹی سی نہر سوکھ جائے اور پھر ہمارے آنسوؤں سے

بھر جائے اتنی کہ سیلاب آ جائے مگر ایسا کب ہو سکتا ہے شہریار کہ میرا یہ تنہا آنسو تو ایک ذرّہ بھی نہیں بھگو سکتا پھر، پھر میں کیوں محسوس کرتا ہوں کہ جب یہ میرا واحد آنسو زمین پہ گرتا ہے تو زمین وہاں سے چیخ اٹھتی ہے۔ جیسے یہ قطرہ اسے اور پیاسا کر گیا ہو۔

میں کیوں روؤں بھلا؟ ایک انقلابی نوجوان ایک عورت کے لیے آنسو بہاتا ہوا اس خاموش وادی میں چپکے سے بے بسی کی موت مر جائے کیوں؟

مگر ایسا ہو سکتا ہے یار! یہ عشق بڑی بری چیز ہے۔ اس کے پیچھے کوئی عورت مرد نہیں ہوتا۔ یہ تو خاص دین ہے اللہ کی طرف سے۔

وہ اللہ گواہ ہے یا یہ کاغذ کے چند ٹکڑے جو ہر روز کی طرح پھاڑ کر میں اس نہر میں بہا آؤں گا۔ پھر یونہی ایک روز بابا مجھے اس چھوٹے سے قبرستان میں جہاں اس کی بیوی اور بیٹے کی قبریں ہیں، مجھے بھی دفنا دے گا۔ تنہا ہی میرا جنازہ پڑھ کر۔

آگے سارے صفحے خالی ہیں اور مجھے جو صبح بابا بنگلے سے بلا کر لایا تھا۔ میں ڈاکٹر لے کر پہنچا تو میرا دوست۔ ہمارا

انقلابی ہیرو کھانسی کے شدید دورے سے لڑ رہا تھا۔

مجھے دیکھ کر اس کی آنکھ سے نکلنے والا وہ تنہا آنسو مجھے عمر بھر رلانے کے لیے کافی ہے۔

پھر بھلا عکرمہ رسول یہ صفحات پڑھ کر جسے بہانے کی بھی تمہیں مہلت نہ ملی مجھے عمر بھر بے چین رکھنے کو کافی نہیں ہیں کیا؟

مجھے امریکہ میں اس سے کی گئی طنزیہ گفتگو اپنی نظروں میں گرا گئی۔

تم نے تو پھر منزل پا لی عکرمہ رسول۔

وفا تم جیسے ہیرو کو دیکھ کر واقعی اب فخر سے کہے گی یہ ہیرو کبھی میرا دوست رہا ہے اور میرا کرب مجھے یہاں روکے کھڑا ہے کہ آخر مجھے کون فیصلہ دے عکرمہ رسول کہ نامراد کون تھا؟ روسو، تم یا میں!

***

ختم شد